گلبرٹ ہائیٹ

حضرت عیسیٰؑ -- معلم اخلاق

مغربی دنیا کے معلموں میں ناصریہ کے رہنے والے حضرت عیسیٰؑ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ توراۃ میں ہم انبیاء کی اولاد (مریدان خاص) کا تذکرہ پڑھتے ہیں۔ یسعیاہ جیسے رسولوں کے ساتھ ان حواریوں کی جو وابستگی تھی، اس کا ادنیٰ کرشمہ یہ تھا کہ وہ دنیا کے تمام دھندے چھوڑ کر اپنے مرشد کے ساتھ ایک خانقاہ میں رہتے تھے۔ وہ اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کرتے، اس کے اسوۂ زندگی کی تقلید کرتے اور اس کے الہامات سے مستفید ہوتے تھے۔ مشرق کے بعض مفکروں کا بھی یہی انداز تھا جو اپنے شاگردوں سمیت خانقاہ یا آشرم میں رہتے تھے۔ حضرت عیسیٰ مسیح کا یہی طریقہ تھا۔ ان کے شاگرد (حواری) ہر حال میں ان کے ساتھ رہتے اور سفر و حضر کسی حال میں اس رہبر اعظم کا دامن نہ چھوڑتے تھے۔

حضرت عیسیٰؑ نے ممتاز اور ذہین یہودی لڑکوں کی طرح توراۃ مقدس کے صحیفے عبرانی میں پڑھے تھے۔ اس عہد میں عبرانی عام بول چال کی زبان نہ تھی، صرف مذہبی تعلیم کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئی تھی۔ انہیں ان مقدس صحیفوں کی تفسیر اور عبارت کی حقیقی تاویل پر اتنا عبور حاصل ہو گیا تھا کہ وہ موسوی شریعت کے فقہ و تفسیر میں مستند سمجھے جاتے تھے۔ ان کے متعلق سب سے پہلی اطلاع جو ہمیں ملتی ہے، یہ ہے کہ وہ بارہ سال کی عمر میں بیت المقدس کے اندر عبرانی زبان کے جہاں دیدہ استادوں کے ساتھ تفسیر کے پیچیدہ مسائل پر بحث کیا کرتے تھے۔ یہودیوں کی تعلیمی روایات نے بہت سے وحید عصر پیدا کیے ہیں، لیکن حضرت عیسیٰؑ کا مرتبہ ان سے کہیں بلند ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم دو پہلو رکھتی تھی جو باہم ایک دوسرے سے متعلق اور نہایت اہم تھے۔ وہ اپنے حواریوں کو تعلیم دیتے تھے اور اس کے علاوہ ان تمام یہودیوں کو وعظ و نصائح سے مستفید کرتے تھے جو ان کی نصیحت سننے کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ حواریوں کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ وہ آخر وقت تک ان کے ساتھ رہے۔ حکام نے حضرت عیسیٰؑ کو شہید کرتے وقت ان حواریوں سے تعرض نہیں کیا۔ انہیں یقین تھا کہ رہنما کے ختم ہوتے ہی ان کے عقائد و خیالات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ بہر حال یہ حواری جو بیکس و نادار تھے، اپنے مرشد کے حالات سنانے اور تبلیغ کا کام جاری

رکھنے کے لیے زندہ رہے۔ اُنھوں نے یروشلم میں مسیحی کلیسیاء قائم کر کے تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ حضرت عیسیٰ چاہتے تو اس عہد کے ذہین ترین اور مال دار آدمیوں کو اپنے اصحاب کے دائرے میں شامل کر لیتے، لیکن نہیں، ان کا پیغام امن و سکون، غریبوں کی تسلی کے لیے تھا اور اس مقصد کے لیے وہی بے کس، گمراہ اور نادار حواری موزوں تھے جن کے کروڑوں بھائی بند دنیا کے آلام و مصائب میں مبتلا تھے۔

حضرت عیسیٰؑ عوام کو درس دیتے تھے۔ ان کی تعلیم سے عام یہودی بھی مستفید ہوتے تھے۔ وہ مقدس صحیفے ہاتھ میں لے کر عوام کو اس کی تفسیر سنایا کرتے تھے۔ دینِ مسیحی کے علماء (پادری) اب بھی ان کی تقلید میں کتاب مقدس کی تفسیر عوام کو سناتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی تقریر کا انداز بالکل سادہ، لیکن ایک جلالی شان کا حامل ہوتا تھا۔ اس کے لیے وہ کوئی تیاری نہ کرتے، تقریر کے مختلف ٹکڑوں میں کوئی فنی ربط نہ ہوتا، لیکن عوام ان کے پیغام کی عظمت سے اتنا متاثر ہوتے کہ انہیں اکثر کھانے پینے کا ہوش بھی نہ رہتا۔ یہودیوں نے ان کی اس مقبولیت کو حسد اور شک کی نظر سے دیکھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس عظیم رہنما کی تعلیمات دینِ موسوی کے لیے خطرہ بن جائیں گی۔ ایک مرتبہ وعظ ختم ہونے پر ناصریہ کے یہودیوں نے انہیں ہلاک کر دینا چاہا، لیکن عوام کی بے پناہ عقیدت کا خیال کر کے اس ارادے سے باز رہے۔ جناب مسیحؑ کا اثر بڑھتا رہا، یہاں تک کہ گرفتاری سے پہلے جب وہ عید منانے کے لیے یروشلم میں داخل ہوئے تو شہر کے عوام نے ان کی تعظیم و تکریم اس طرح کی کہ گویا وہ خدا کے مظہر ہیں۔

جو چیز ان کی روز افزوں مقبولیت کا باعث تھی، اس کا تذکرہ کتاب مقدس میں موجود ہے۔ وہ پیشہ ور علماء کی طرح نہیں، بلکہ ایک الہامی مفکر کی طرح تقریر کرتے تھے۔ وہ مقدس صحیفوں کے نکات کی لامتناہی اور الجھی ہوئی تفسیر بیان کرنے اور تصنع آمیز اور قصداً پیچیدہ سوالات میں الجھ کر رہ جانے سے بچتے تھے۔

صدوقیوں نے ان سے ایک دفعہ سوال کیا تھا کہ جنت میں اس عورت کا کیا انجام ہوگا جو دنیا میں یکے بعد دیگرے سات شوہروں کے عقد میں رہی ہو، مگر ایسے گمراہ کن سوالات کو سلجھانا جناب عیسیٰؑ کے لیے قطعی سہل تھا۔ ان کی مقبولیت کا سبب وہ سلجھے ہوئے خیالات تھے جو ریاکار علماء کے پیچ در پیچ بیانات کے برعکس حقیقت کی راہ دکھاتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ انہیں بذریعہ الہام اندازہ ہو چکا تھا کہ سابقہ شریعت میں اصلاح و ترمیم ناگزیر ہے۔

جیسا کہ مقدس صحیفوں سے پتہ چلتا ہے، حضرت عیسیٰؑ تعلیم میں چار طریقے استعمال کرتے تھے۔ ان میں پہلا طریقہ تقریر کا تھا۔ ان کی تقریر میں باقاعدہ ترتیب، منطقی ساخت یا تسلسل

خیالات ہر گز نہ ہوتا تھا۔ بعض تقریروں کا انداز یہ ہے کہ زبان سے ایک الہامی جملہ ادا کیا، اس کے بعد اسے سات آٹھ مرتبہ جذب و عرفان کے عالم میں دہرایا، دیر تک خاموش رہے اور پھر باقی تقریر پوری کی جو بظاہر تسلسلِ خیال، ترتیب کلام یا ربط سے عاری ہوتی تھی۔ فنی نقطہ نظر سے آپ اسے اچھا نہ کہیں گے، مگر اس کی مجذوبی شان، الہامی جلال اور عرفانی عظمت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

مقدس صحیفوں میں حضرت عیسیٰ کی تقریریں جس طرح موجود ہیں۔ ربط و ترتیب سے عاری ہیں۔ خیالات کا سلسلہ جابجا ٹوٹا ہوا نظر آتا ہے۔ مذہبی اصطلاح میں اس کے مختلف ٹکڑے قطعہ کہلاتے ہیں، ان میں عروضی وزن، قوافی کا آہنگ اور شعری لطافت کی جھلک نظر آتی ہے۔ دل کو یقین ہو جاتا ہے کہ ہاں اس پیغمبر کی زبان سے الفاظ یوں ہی ادا ہوئے ہوں گے۔ تصور اس کی نورانی صورت، پُر وقار لہجے اور معصوم شخصیت کو سامنے لا کھڑا کر دیتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عوام کا پُر شوق ہجوم اس کی تقریر سننے کے لیے بے تاب ہے، وہ خاموش بیٹھا رہتا ہے، پھر اٹھتا ہے اور ہم یہ آواز سنتے ہیں:

مبارک ہیں وہ جو عاجزی اختیار کرتے ہیں۔ عقبیٰ کی فلاح انہی کے لیے ہے۔

پھر خاموشی طاری ہو جاتی ہے۔ کچھ دیر بعد یہ کلمے سنائی دیتے ہیں:

مصیبت زدہ لوگوں پر برکت نازل ہو۔ خدا انہیں سکون دے گا۔

ساری تقریریں ایسے ہی ٹکڑوں پر مشتمل ہوتی تھیں جنہیں حواری یاد رکھتے تھے۔ انہیں کتابی شکل میں کئی سال بعد ترتیب دیا گیا، بایں ہمہ ان کی صحت میں شک نہیں۔ اکثر پرانی قوموں کا مذہبی ادب اسی طرح سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری کو پہنچا ہے۔

وعظ و تلقین کا یہ طریقہ جس کے نمونے انجیل مقدس میں کہیں کہیں اور بھی نظر آتے ہیں۔ مشرقی ممالک کے داناؤں کا معمول تھا۔ بنی اسرائیل کے اکثر پیغمبر یہی ضرب الامثالی طریقہ استعمال کرتے تھے۔ حضرت ایوب پر جو آزمائش کا دور گزرا، اس میں ان کے رفیقوں نے جس طرح غم گساری کی ہے وہ بھی یہی انداز رکھتی ہے۔ وہ ایک ہفتے تک جناب ایوب کے پاس بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے باری باری جناب ایوب سے بحث شروع کی اور پوچھا کہ موجودہ صورتِ حال کی ذمہ داری آپ پر کس حد تک عائد ہوتی ہے۔ جناب ایوب اور ان کے تین رفیقوں کی یہ تقریر کسی طرح منطقی ترتیب میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ ان میں سے ہر شخص باقاعدہ بحث کی بجائے اپنا نقطہ نظر بار بار دہراتا ہے اور شاعرانہ محاکات، نیز برجستہ عبارت سے اس میں زور پیدا کرتا ہے۔ وہ سب اپنا نقطہ نظر بار بار آہستہ آہستہ، لیکن پُر جوش اور شدت کے ساتھ ادا کرتے رہے۔ غرض یہی طریقہ

حضرت عیسیٰؑ کا تھا، ان کی تقریر یہی الہامی جوش رکھتی تھی۔ اگر اس کا انداز مسلسل باقاعدہ لیکچر کا ہوتا تو ہمیں یقین ہے کہ ان کے حواری اسے بھی یاد کر لیتے اور بعد ازاں کتابی صورت میں مرتب کر کے دنیا کو اپنے مرشد کے پیغام سے آشنا کرتے۔

حضرت عیسیٰؑ کا دوسرا طریقہ جو پہلے طریقے سے کافی مشابہ ہے، یہ تھا کہ جذب و محویت کے عالم میں ایک فقرہ کہتے جو دانش و حکمت کا خلاصہ ہوتا، پھر ان پر خاموشی طاری ہو جاتی۔ اسی طرح بعض نام نہاد علماء کے جواب میں بھی وہ یہی طریقہ اختیار کرتے۔ ان کے مریدان معنی خیز فقروں کو بے حد اہم سمجھتے تھے، کیونکہ یہ فقرے مدت کے غور و فکر کا خلاصہ اور کہنے والے کی شخصیت کے مکمل آئینہ دار ہوتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ایسا فقرہ کسی اور انسان کی زبان سے نہیں نکل سکتا۔ لہٰذا وہ اسے حفظ کر لیتے۔ جناب عیسیٰؑ متعدد مشکل مواقع پر انہی معنی خیز جملوں سے اپنے دشمنوں کو خاموش کرتے تھے۔ مشرق کے اکثر دانش مندوں کا (جن میں چین کا رہبر اعظم کنفیوشس بھی شامل ہے۔) یہی دستور تھا۔ بنی اسرائیل کے علماء جنہیں رشک و حسد کی آگ کباب کیے دیتی تھی، شاطرانہ چالیں چلتے اور عیارانہ سوالوں سے انہیں عاجز کرنے کی ترکیبیں سوچتے، لیکن حضرت عیسیٰ کا ایک جملہ انہیں خجل کر دینے کے لیے کافی ہوتا۔ ایک مرتبہ یہ لوگ کسی زانی عورت کو پکڑ لائے جس کا جرم ثابت ہو چکا تھا۔ اُنہوں نے چاہا کہ حضرت عیسیٰؑ موسوی شریعت کے مطابق اسے سنگ سار کرنے کا حکم دیں۔ کچھ دیر خاموش رہ کر آپ نے کہا کہ ہاں اسے سنگ سار کر سکتے ہو، لیکن پہلا پتھر وہ شخص مارے جس سے عمر بھر گناہ سرزد نہ ہوا ہو۔ کس کی مجال تھی کہ معصوم ہونے کا دعویٰ کرتا اور پتھر اٹھاتا۔

کبھی کبھی حضرت عیسیٰؑ پند و نصیحت کے جواہر ریزے اپنے ذاتی افعال یا مخصوص اعمال کے پیرائے میں پیش کرتے تھے۔ یہ ان کا تیسرا طریقہ تھا۔ تمام بڑے استادوں کی طرح وہ خوب آگاہ تھے کہ جس طرح تصویر کسی واقعہ یا منظر کو ناقابلِ فراموش بنا دیتی ہے۔ اسی طرح دقیق باتوں کو ذہن نشین کرنے کے لیے نبی کے اشارتی اعمال یا سلسلہ افعال بے نظیر ذریعہ ہے۔ افلاطون اس طریقہ سے کام لیتا تھا۔ حضرت مسیح بھی کہانی، تمثیل اور اعضاء کی حرکات سے مطالب ذہن نشین کرنے کا کام لیتے تھے۔ ان کے اکثر فیصلے، احکام اور اشارے اب تک ہماری نظر میں پھرتے ہیں۔ خطاکار عورت کو بچانا، بیت المقدس سے مہاجنوں کو دُرے مار کر نکالنا اور آخری عشائے ربانی کے مناظر آج بھی ایسے تازہ ہیں کہ گویا ہم نے اُنہیں بچشم خود دیکھا ہے۔

چوتھا طریقہ تبلیغ کا تھا۔ وہ اپنے مریدوں کو دینداری و معرفت کا درس دینے کے بعد اُنہیں جا بجا فلسطین میں تبلیغ کے لیے بھیج دیتے تھے۔ بہت کم استاد ایسا کرتے ہیں، حتیٰ کہ مذہبی مبلغ بھی یہ

طریقہ شاذ و نادر استعمال کرتے ہیں۔ وہ تو بس ایک جماعت کو ایک محدود قوم تصور کر کے اپنی تعلیم کے لیے مخصوص کر لیتے ہیں۔ اگرچہ سقراط اور سقراط کے شاگرد ہر اس شخص کو تعلیم دینے کے لیے تیار رہتے جو سوالات کا جواب دے سکتے، لیکن ان میں سے کسی نے اپنے خیالات کی اشاعت کے لیے شاگردوں کو باہر نہیں بھیجا۔ اسی طرح خود سقراط، افلاطون اور ارسطو نے بھی تعلیم کو محدود رکھا۔ تبلیغ کی طرف توجہ نہیں دی، بلکہ ارسطو نے اس کے محدود دائرے کو تنگ کر دیا۔ اس کی اعلیٰ تعلیم صرف چند ممتاز شاگردوں کے لیے وقف تھی جس میں عوام کا دخل نہ تھا۔ ان کی تعلیمات عام نہ ہو سکیں اور آج صرف چند اقتباسات، مکالمات اور یادداشتیں ہیں جو ہم تک پہنچی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی تعلیمات عام کر دیں۔ ان کے حین حیات بارہ حواری یہ فرض انجام دیتے رہے اور آج یہ عالم ہے کہ جہاں بھی علم و دانش کا نور پہنچا ہے، اس مرشد کامل کا پیغام وہاں سنا اور سنایا جاتا ہے۔ دُنیا کے ہر گوشے میں کسی راہب، کسی عالم، کسی نن (راہبہ) یا کسی فلاح کار کی بدولت حتیٰ کہ ہر گھر میں جہاں ماں اپنے بچے کو نماز سکھاتی ہے، یہ محسوس ہوتا ہے کہ ۵۰ پشتوں کا فاصلہ ہو جانے کے باوجود اس رہبرِ اعظم کا پیغام زندہ ہے۔

تحریر: ڈاکٹر محمد حمید اللہ
انگریزی سے ترجمہ: شبیر بیگ بریلوی

اسلام اور مسیحیّت کے باہمی روابط

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (ولادت: ۱۹۰۸ء) اپنی علمی و دینی خدمات کے سبب کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اُن کا ایک مقالہ The Friendly Relations of Islam with Christianity and how they deteriorated کے زیر عنوان "جرنل آف دی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی" (کراچی) کے اولیں شمارے میں شائع ہوا تھا۔ مقالے کی اہمیت کے پیش نظر رئیس احمد جعفری (م ۱۹۶۸ء) نے اسی دور میں اس کا ترجمہ ماہنامہ "ریاض" (کراچی) بابت نومبر ۱۹۵۳ء میں پیش کر دیا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مقالے کا وہی ترجمہ بطور "قند مکرر" پیش کیا جارہا ہے۔ طباعتی اغلاط کی تصحیح کر دی گئی ہے اور جہاں ایک دو جگہ مفہوم واضح نہیں ہو رہا تھا، انگریزی متن دیکھ کر اضافے کر دیے گئے ہیں۔ اولیں مترجم کی کاوش سے الگ شناخت کے لیے اضافات حواشین میں درج کیے گئے ہیں۔ ازرقی کی تالیف "اخبار مکہ" کے حوالے سے جو روایت بیان کی گئی ہے، یہ روح اسلام کے خلاف ہے، مگر ہم نے مقالے میں کتر بیونت مناسب خیال نہ کرتے ہوئے اسے نقل کر دیا ہے۔ مدیر)

گزشتہ ساڑھے تیرہ صدیوں میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں جو لڑائیاں لڑی گئیں، ان میں بے گناہوں کا بہت سا خون بہایا گیا۔ ممکن ہے یہ بات عجیب معلوم ہو، مگر جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے، حقیقت یہ ہے کہ اوائل اسلام میں صورتِ حالات یہ نہیں تھی اور آں حضرتؐ کے دل میں عیسائیت اور عیسائیوں کے بارے میں سب سے زیادہ جذباتِ ہمدردی موجود تھے۔ اس مضمون میں میں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اسلام اور مسیحیّت کے مابین دوستانہ روابط نے کس طرح ترقی کی اور کس طرح پیغمبر اسلامؐ کی حیات مبارکہ ہی میں ان میں ابتری پیدا ہوئی۔

ابن الجوزی کا بیان ہے کہ آں حضرتؐ سات سال کے تھے کہ آپؐ کی آنکھوں میں کوئی تکلیف پیدا ہوئی۔ قبل از اسلام کا مکہ طب میں جزیرۃ العرب کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس کی شہادت اس سے ملتی ہے کہ عربی میں اطباء کی سیرت کے جو لغات ہیں، ان میں ایک ایسے طبیب کا ذکر ہے جس نے